غالب کا ایک باکمال گمنام شاگرد

"دونوں غزلیں دیکھیں۔ خوش ہوا۔ فقیر کا شیوہ خوشامد نہیں اور اگر فنِ شعر میں اس شیوہ کی رعایت کی جائے تو شاگرد ناقص رہ جاتا ہے۔ یاد کرو کبھی کوئی غزل تمھاری اس طرح کی نہیں ہوئی کہ جس میں اصلاح ہوئی ہو۔ خصوصاً روزمرہ اردو میں دونوں غزلیں لفظاً اور معناً بے عیب ہیں۔ کسی اصلاح کی حاجت نہیں۔ آفریں صد ہزار آفریں ——————"

غالب بنام سیاّح[1]

بندھا خیال جو محفل میں چشمِ وحشی کا
ہر ایک ساغرِ مے دیدۂ غزال ہوا

کھولنا تھا کسی عاشق کا صنم عقدۂ دل
لطف کیا طرۂ گیسو جو سنوارا اپنا

رنگت ہے زرد خشک ہیں لب اور چشم تر
تم بھی کسی کو کرنے لگے ہو پیار کیا

کہتا ہے تو یہ سب مری تسکیں کے واسطے
قاصد زبانی بات کا ہے اعتبار کیا

بادِ صبا سے مصحفِ گل کے ورق کھلے
صحنِ چمن ہوا ہے دبستانِ عندلیب

ہر ایک داغ سے روشن ہے دل قمر کی طرح
ملا ہے عیب کو میرے شرف ہنر کی طرح

خدا نے عشق میں ثابت قدم رکھا ہم کو
اٹھے نہ منزلِ جاناں سے سنگِ در کی طرح

تصوّر آنکھ میں ہے اس کے روئے روشن کا
مگر نظر نہیں آتا کبھی نظر کی طرح

محیطِ عشق سے یہ آبرو ملی سیاّح
کہ تہ کو بیٹھ گئے جا کے ہم گہر کی طرح

۱۔ انتخاب از "میاں دادخاں سیاّح (۱۸۳۰ء – ۱۹۰۷ء) اور ان کا کلام" مرتبہ ڈاکٹر سید ظہیرالدین مدنی۔

نظر نہ آیا کبھی وہ ہمیں نظر کی طرح
ہمیشہ چشم ہے وا حلقہ ہائے در کی طرح

دیا جواب نہ خط کا نہ کچھ خبر آئی
الٰہی گم ہوا کیا نامہ بر خبر کی طرح

کس طرح خون ہو کے نہ آنکھوں میں آئے دل
دل میں جو غم سمائے تو بر میں سمائے دل

دنیا سے بے خبر نہ ہوں کس طرح ہجر میں
ٹوٹا پڑا ہے ساغرِ گیتی نمائے دل

الزام کس کو دیجیے سیاحِ عشق میں
کچھ آنکھ کا قصور ہے کچھ ہے خطائے دل

پاتے نہیں فراغ ہجومِ فغاں سے ہم
تنگ آ گئے ہیں ہجر میں اپنی زباں سے ہم

اب بھی بندھی ہوئی ہے ہوا اپنی ہر جگہ
نکلے ہیں بوئے گل کی طرح گلستاں سے ہم

شاید انھیں بطرزِ فسانہ کوئی سنائے
کہتے ہیں اپنا حال ہر اک قصہ خواں سے ہم

شبِ فرقت بھی گزرے گی آساں
بے خودی کے یہ مجھ پہ احساں ہیں

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

کہہ دو سنبھل کے میکدے میں آئے محتسب
ٹوٹیں گے خم ضرور مگر اس کے سر کے ساتھ

مشتعل ہے بزم میں شعلہ جو اس کے حسن کا
شمع پروانوں سے جو پائے پر پرواز ہے

دوبدو عاشق شیدا سے وہ ہو گا کیوں کر
آئینہ میں بھی جو منہ دیکھتے شرماتا ہے

تیز رو جتنے تھے سب بیٹھ گئے تھک تھک کر
نہ ہوئی طے رہ الفت کی زمیں تھوڑی سی

لب نہ وا ہوں تو دکھا دیجیے اعجازِ نگاہ
دلِ مردہ کو اشاروں ہی سے زندہ کیجیے